Fikr-o-Nasar (Islamabad) 20:5 (1982)

رسولِ وحدت

سید سلیمان ندوی

زیر نظر تحریر سید سلیمان ندوی مرحوم کی ایک نادر تقریر ہے جو ہمیں گورنمنٹ کالج منڈی بہاء الدین کے لکچرر جناب بشیر مہدی حسن نے بھیجی ہے۔ ان کے بقول سید صاحب مرحوم نے یہ تقریر ۱۹۳۲ء میں میلاد النبی کے موقع پر کی تھی، یہ تقریر پندرہ جولائی ۱۹۳۲ء کے پندرہ روزہ "ایمان" لاہور میں شائع ہوئی تھی، اس کی افادیت اور علمی اہمیت کے پیشِ نظر ہم اس بلند پایہ علمی تحریر کو جناب بشیر مہدی حسن کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین"۔

مسلمانو! آج کی مجلس وہ مجلس ہے جس میں سرکارِ نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب اور محامد و محاسن کے سننے کے لئے ہم سب جمع ہوئے ہیں، ضرورت یہ

ہے کہ ہم اپنے ہادی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل ومحاسن اس طرح سنیں کہ جن سے ہمارے لئے موجودہ دنیا میں راہیں کھلیں اور ہمارے موجودہ مشکلات آپ کے ذکر کے وسیلہ سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام حق میں فکر کے ذریعہ سے حل ہوں دوست و دشمن اور موافق ومخالف سب کو تسلیم ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سب سے اوّلین اور آخرین خصوصیت توحید کی تعلیم ہے مگر اب تک اس لفظِ توحید کو ایک خاص اصطلاح میں استعمال کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ آپ نے خدائے تعالیٰ کی وحدت کی کامل تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن آؤ آج ہم اس ایک لفظ کی تحلیل کریں اور دکھائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحدت کی تعلیم کس کس رنگ سے پیش کی ہے۔ اور کس کس پہلو سے مکمل کی ہے۔

دنیائے وجود کا سب سے بڑا طلسم وحدت و کثرت کی نیرنگی ہے اور ہم کو بظاہر ہر طرف کثرت ہی کی نیرنگیاں نظر آتی ہیں۔ ظاہر بین نگاہیں کثرت کی انہیں نیرنگیوں میں اُلجھ کر اور واحد کو کثیر دیکھ کر موحد سے مشرک بن جاتی ہیں مگر حقیقت شناس نگاہ کثرت کے رنگارنگ پردوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھ لیتی ہے۔ دیکھنے والوں کو آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل دریا نظر آتے ہیں، پھر آسمان میں آفتاب ماہتاب سبع سیارہ، اور دوسرے ستارے دکھائی دیتے ہیں، زمین میں انسان، حیوان، درخت پہاڑوں میں چٹانیں اور غار دریاؤں میں روانی سیرابی اور موجیں ہمارے سامنے آتی ہیں، تو انسانوں نے ان سب کو کثرت کی جلوہ انگیزیاں سمجھ کر ان میں سے ہر ایک کو اپنا اپنا خدا اور دیوتا بنایا۔ کسی نے آفتاب کو پوجا کسی نے ماہتاب کو کسی نے دریا کو اور کسی نے پہاڑ کو، لیکن ایک موحدِ اعظم کی نگاہوں نے ان کثرتوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھا، اور پکار اٹھا کہ میں ان کے نہیں، بلکہ ان سب کے ایک اور واحد اور تنہا خالق کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

انی وجہت وجھی للذی	میں نے اپنا منہ سب کی طرف سے پھیر کر اس کی طرف
فطر السمٰوٰت والارض حنیفا	کیا جو ان آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، موحد بن کر اور
وما انا من المشرکین ۔	میں دوسروں کو خدائے برحق کا ساجھی نہیں مانتا۔

دنیا کے تمام علوم و فنون اور فلسفہ و سائنس کی تمام شاخوں کی پوری کوششیں اور تحقیقیں صرف اسی ایک اصل کی فرع ہیں کہ ان رنگا رنگ کثرتوں میں وحدت کی تلاش کی جائے اور اُس ایک علّت کا پتہ چلایا جائے جس کی یہ تمام کثرتیں اثر اور نتیجہ ہیں جس علم و فن میں جس حد تک حقیقت کی منزل قریب ہوتی جاتی ہے وحدت کا چہرہ نمایاں سے نمایاں تر ہوتا جاتا ہے۔

عہد جاہلیت میں انسان ہر کام کا ایک الگ دیوتا مانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ دُنیا کے تمام افراد اور واقعات کا تعلق علیحدہ علیحدہ فاعلوں اور مؤثروں سے ہے۔ اور وہ ان سب کو پوجتا تھا۔ بیماری کا الگ خدا تھا بلکہ ہر بیماری کا ایک الگ دیوتا تھا جس کی پرستش ہوتی تھی۔ جنگ کا الگ صلح کا الگ، قحط کا الگ، پیداوار کا الگ، علم کا الگ، دولت کا الگ، خیر کا الگ اور شر کا الگ، لیکن اس سے پہلے کہ سائنس اس باطل کا انکار کرے دینِ حق نے اس کے تار و پود بکھیر دیئے۔ اور تعلیم دی کہ وہ ایک ہی ہے جو آسمان سے زمین تک سب پر فرماں روا ہے اور ایک ہی حکم ہے جو عرش سے فرش تک جاری ہے۔

وھو الذی فی السماءِ اله و	اور وہی ایک ہے جو زمین و آسمان دونوں
فی الارض اله (زخرف)	میں فرمانروا ہے۔

یہی وہ حقیقت باہرہ ہے جو توحید کا جوہر ہے صلح و جنگ دولت و افلاس، نعمت و زحمت کامیابی و ناکامی، غرض دنیا کے ہر کام اور ہر شے کا تعلق صرف اُسی ایک ذات سے ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس تعلیم نے دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، فرشتوں

پیغمبروں، ولیوں اور شہیدوں کی طوائف الملوکیوں کا خاتمہ کر کے آسمان و زمین میں صرف ایک شاہنشاہی قائم کی اور تمام عالم کو ایک نظام ربّانی کے قبول کرنے کی دعوت دی دنیا کے مختلف مذاہب کو لے کر جو انبیائے کرام مبعوث ہوئے وہ اسی سب سے بڑی حقیقت کو لے کر آئے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ حقیقت پوری طرح واشگاف ہو کر لوگوں کے سامنے نہیں آئی۔ اور آخر دنیا کو، دنیا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار رہا کہ آپ کی بعثت اس حقیقت کو اس وضاحت اور شرح و تفصیل اور تکمیل کے ساتھ پیش کرے کہ دنیا اس کو قبول کر کے پھر بھلا نہ سکے۔

چنانچہ توحید یا وحدتِ الٰہی کی تعلیم جس تفصیل اور تشریح کے ساتھ آپ نے دی وہ آپ کی تعلیم کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہے۔ اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی واحد ہے اور اپنی صفات کاملہ کے لحاظ سے بھی واحد و منفرد ہے اور اپنی عبادتوں کے لحاظ سے بھی غیر شریک ہے وہ نہ ۳۳ کروڑ صفات کے جلووں میں ۳۳ کروڑ ہے اور نہ تین اقانیم میں منقسم ہو کر واحد ہے۔ اور نہ وہ دو متضاد احوال کی بنا پر دو ہے بلکہ وہ ایک، واحد، متفرد منفرد اور غیر شریک ہے۔ نہ کسی پیغمبر کو یہ قدرت ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں ذرہ برابر شریک ہو سکے اور نہ کسی نمرود و فرعون یا کسریٰ و قیصر اور مہاراج کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کی شاہنشاہی اور ربوبیت میں شرکت کا دعویٰ کر کے اناربکم الاعلیٰ کی آواز بلند کر سکے۔

لیکن توحید کی تکمیل ابھی ایک اور قدم کی محتاج تھی اور وہ یہ تعلیم تھی کہ وہ واحد منفرد جو ہمارا خدا ہے جس طرح وہ اپنی ذات و صفات و عبادات میں واحد و منفرد ہے۔ اسی طرح اپنے تعلق کے لحاظ سے بھی منفرد ہے یعنی یہ کہ وہی جو ہمارا ایک خدا ہے وہی ہر ذرۂ خاک ہر مور و مگس

اور ہر کاہ و خاشاک سے لے کر آفتاب و ماہتاب انسان وحیوان اور گل و گلزار کا واحد خالق و مالک ہے ماسوا میں جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق، سب اس کے بندے اور سب اس کے محکوم ہیں. تمام کائنات اسی ایک کے قبضۂ قدرت میں ہے پست و بلند نشیب و فراز اور فرش و عرش سب اسی ایک کے زیر فرمان ہیں۔

بہت سے انسانوں نے اس کو ایسا مانا تھا کہ وہ انہیں کا ہے، دوسروں کا نہیں، انہوں نے انسانوں کے اندر پستی و بلندی اور شرافت و رذالت کے درجے اور مرتبے قائم کر کے یہ یقین پیدا کر لیا تھا کہ وہ صرف ہم بلند و شریف انسانوں کے طبقہ کا واحد خدا ہے اور بقیہ پست و ذلیل مخلوقات اس قابل نہیں کہ وہ اس سے تعلق کی نسبت رکھ سکے وہ ایک خدا تھا مگر صرف ایک خاندان یا کسی ایک قوم یا کسی ایک مذہب کا سپید رنگ شریف النسل آریہ صرف اپنے ہی لئے اس کو خاص تصور کرتے تھے. اور پھر یہ بھی ایرانی اور آریہ ورت کے رہنے والوں میں منقسم ہو کر اس طرح دو ہو گئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو بجائے خود یہی دعویٰ تھا کہ خدا تعالےٰ کی بندگی خاص کے صرف وہی اہل ہیں، انتہا یہ ہے کہ اگر ایک کے یہاں لفظ دیوتا الوہیت اور خدائی کے معنی دیتا ہے تو وہی لفظ دوسرے کے یہاں بصورت دیو جن و شیطان کے معنی بخشتا ہے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کے دو حصوں شمالی اور جنوبی میں شیوؔ اور وشنو جو دونوں خالق و قیوم کے معنوں میں ایک ہی ذات پر دلالت کرتے ہیں. وہ ہندوؤں کے دو حصے کر دیتے ہیں۔ ایک شیوؔ کو پوجنے والے اور دوسرے وشنو کو ماننے والے، پاک نژادان ایران کا اہورمزد انکا خدا تھا. مگر ہند و آریوں میں وہ سورج سے زیادہ نہیں ہندو آریوں میں سے برہمنوں نے اپنا وہ خدا مانا جو صرف انہیں کا خدا تھا جس نے اپنے منہ سے ان کو پیدا کیا اور دوسری ہندو قوموں کو اپنے بازوؤں اور

ٹانگوں سے۔

ساميوں کا خدا صرف انہيں کا تھا، بلکہ بنی اسرائيل کے نزديک وہ خاص ان کے خاندان کا خدا تھا۔ وہ ابراہيمؑ کا اسحاقؑ کا، يعقوبؑ کا خدا تھا۔ حضرت يعقوبؑ اپنی اولاد سے پوچھتے ہيں کہ ميرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟ جواب ملتا ہے الھك والہ ابائك ابراھيم واسحاق، حضرت موسیٰؑ کے عہد ميں مصر کے جادوگر ايمان لاتے ہيں مگر کس پر؟ امنا برب موسیٰ وھارون، ہم ہارونؑ اور موسیٰؑ کے خدا پر ايمان لائے غرض بنی اسرائيل ميں جس خدا کا تخيّل تھا وہ خاندانی معبود سے زيادہ نہ تھا۔ عيسائيوں کا خدا عيسائيوں کا باپ تھا مگر اس باپ کے کنبہ ميں دوسرے شريک نہ تھے۔ ان کا دعویٰ تھا نحن ابنٰؤ اللہ واحباؤہ ہم ہيں خدا کے بيٹے اور اس کے چہيتے، ابراہيمؑ اور اسحاقؑ والا خدا يہاں آکر صرف کنواری ماں کے بيٹے کا باپ رہ گيا تھا۔

يہ تھا اس خدائے واحد کا تخيّل جو قوموں اور خاندانوں کا خدا بن کر محدود ہو گيا تھا اس کے بعد خاتم الانبياء عليہ السلام کی بعثت ہوئی آپ صلی اللہ عليہ وسلم کی تعليم نے جہاں وحدتِ ربّانی کے دوسرے پہلوؤں کی تکميل کی، اس وحدت کے مفہوم کو بھی مکمل کيا اور بتايا کہ وہ ايک ہی خدا ہے۔ جو برہما بھی ہے۔ مہيش بھی، وشنو بھی ہے اور شيو بھی، يعنی خالق بھی ہے قيوم بھی زندہ بھی، زندہ کرنے والا بھی ہے اور مارنے والا بھی ھوالذی يحيی ويميت، وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ وہ کالے گورے، آريائی اور سامی ايرانی اور تورانی ہندی اور عربی اسرائيلی اور اسماعيلی موسوی اور عيسوی ہندو اور مسلمان بلکہ زاہد شب زندہ دار اور فاسق گناہ گار دونوں کا يکساں خدا ہے اور سب اس کے دربار کے يکساں بندے ہيں۔ برہمن ہو کہ شودر، مختون ہو کہ نامختون، تثليث

پرست ہو کہ موحّد، آقا ہو کہ غلام، اونچا ہو یا نیچا، بندہ ہونے کی حیثیت سے سب اس کے سامنے ایک ہی درجہ اور رتبہ رکھتے ہیں۔ سب اُسی کے بندے ہیں۔ اور وہی ایک سب کا خالق و مالک اور محی و ممیت ہے، یہاں کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خدا نہیں قریش کا خدا نہیں عرب کا خدا نہیں، مسلمانوں کا خدا نہیں، بلکہ کل دنیا کا ایک خدا ہے۔ ایک وحدت ربّانی ہے جس میں کُل بندگانِ الٰہی باہم یکساں شریک ہیں۔ وہ سب اس کے بندے ہیں اور وہ ایک ان سب کا خدا ہے قرآن کی سب سے پہلی سورہ، نماز کی سب سے پہلی دعا اور اس دعا کا سب سے پہلا فقرہ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو سکھایا ہے۔

الحمد للہ رب العلمین، ساری خوبیاں اس ایک خدا کی ہیں۔ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ایک ہی ربوبیت ہے جس میں نہ صرف کل دنیا بلکہ دنیاؤں کی تمام مخلوقات یکساں شریک ہے ۔ اس لحاظ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا جو ایک خدا کے ماننے کے باوجود دنیا کو اور قوموں اور خاندانوں کو گویا مختلف خداؤں میں تقسیم کر دیتے تھے اور بتا دیا کہ ہم سب کے سب ایک خدائے واحد کے بندے ہونے کی حیثیت سے باہم بھائی بھائی ہیں۔ سید ہوں کہ شیخ، پرانے خاندانی مسلمان ہوں کہ نومسلم، برہمن ہوں کہ چمار، یورپین ہوں کہ ایشیائی، سب ایک ہی آقا کے غلام اور باہم خواجہ تاش ہیں۔ قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس، سارے انسانوں کا پروردگار سب انسانوں کا بادشاہ اور سب انسانوں کا خدا، یہ وہ وحدتِ ربانی ہے جس کا جلوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم نے دیکھا۔ اور وہ حقیقت ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین نے ہم کو سمجھایا۔ وہ ایک ہی شہنشاہ مطلق اور رب العباد ہے۔ اور تمام مخلوقات ارضی و سماوی انسانی و حیوانی اور تمام دنیا کے خاندان اور نسلیں، قومیتیں اور ملتیں سب اس ایک کی ربوبیت علی الاطلاق

میں برابر کی شریک ہیں فرمایا ان ھٰذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون؟ "بیشک یہ تم سب کی امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تم سب کا پروردگار ہوں تو تم سب میرا ادب و لحاظ کرو"

یہ وہ بلند تخیل ہے جس نے نہ صرف عرب و عجم ترک و تاجیک زنگ و فرنگ ہندو سند روم و تاتار یورپ و ایشیا سب کو ایک اور مربوبیت واحدہ کی ایک اخوت عامہ میں سب کو مربوط و منسلک کر دیا۔ بلکہ انسانوں اور حیوانوں کو بھی ایک پروردگار کے سامنے سرنگوں کر کے انسانوں کو حیوانوں کی خدمت اور حیوانوں کو انسانوں کی خدمت کا سبق پڑھایا۔ اور انسانوں کو حیوانوں پر لطف و شفقت کے لئے مجبور کر دیا، وما من دابۃ فی الارض ولا طیر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم، نہ کوئی زمین میں رینگنے والا جانور ہے اور نہ کوئی پرندہ ہے۔ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہے لیکن وہ تمہاری ہی طرح امت ہیں۔

وحدتِ الٰہی کے بعد وحدت رسالت کا درجہ ہے اور اس سلسلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصلاح فرمائی جو غلط فہمیاں دور کیں، اور جو بلند تخیل منصب نبوت کے متعلق پیش فرمایا، اس کو ذرا تفصیل سے سننے کی ضرورت ہے۔ سب سے بڑی غلطی جو دوسری قوموں سے اس مسئلہ کے متعلق سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ نبوت کو ایک محدود اور مخصوص چیز قرار دے دیا گیا تھا آریہ ورت کے ہندو کہتے تھے کہ خدا کی بولی صرف یہیں کے رشیوں اور منیوں نے سنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے۔ زردشت، ایرانیوں کے علاوہ سب کو یزداں کے جلوۂ نورانی سے محروم خیال کرتا تھا۔ بنو اسرائیل اپنے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عیسائی صرف اپنے آپ کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تخصیص کو خدا کے شانِ رحمت اور عدل و انصاف کے منافی تصور کیا، اور قرآنِ مجید نے متعدد آیتوں میں اس کی تردید فرمائی

ایک یہودی حضرت موسیٰؑ کے سوا سب پیغمبروں کا انکار کر سکتا ہے۔ ایک عیسائی صرف حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مان کر عیسائی رہ سکتا ہے۔ ایک ہندو تمام دنیا کو شودر کہہ کر بھی پکا ہندو ہو سکتا ہے۔ ایک زردشتی، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تکذیب کر کے بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جب تک تمام پیغمبروں کو تسلیم نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تنگ خیالی کا دائرہ صرف یہیں تک محدود نہ تھا کہ نبوت کو ملک قوم اور زبان کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ مخصوص کرنے والے خود پیغمبروں میں تفریق کرتے تھے۔ یعنی ان میں سے بعض کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے، یہود حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ کاذب سمجھتے تھے۔ اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے۔ قریش حضرت عیسیٰؑ کے نام سے چلانے لگتے تھے۔ یہود و نصاریٰ دونوں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو صرف بادشاہ سمجھتے تھے اور پیغمبر نہیں مانتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم، شام و ہند، یورپ و پچھم کی تخصیص دور کرتے ہوئے بتایا کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا گیا اور اس کی آواز سنی گئی ہے، اس لئے بلا تفریق و امتیاز دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور راست باز تسلیم کرنا چاہیئے۔

ایک اور واقفیت جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اسلام سے پہلے نبوت رسالت اور پیغمبری کی کوئی واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی۔ یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشنگوئی کے تھے۔ اور نبی پیشنگو کو کہتے تھے۔ جس کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ اس کی دعا یا بد دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تورات کے صحیفہ تکوین میں اس مضمون کی آیتیں موجود ہیں۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوت و رسالت کا ایک دھندلا سا خاکہ ان کے ہاں موجود

ہے بلکہ بعض پیغمبروں کے مقابلہ میں بعض کاہنوں کی پیغمبرانہ شان زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی حیثیت صرف بادشاہ کی ہے۔ اور ان کے زمانہ میں پیشنگوئی کرنے والے پیغمبر اور ہیں۔ یہود کی طرح نصاریٰ میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول کہ "مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے" ہمارے دعویٰ کی تائید کرتا ہے موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے نہ ان کے تذکرے ہیں نہ ان کی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کا بے شبہ تذکرہ کیا گیا ہے لیکن پیغمبرانہ شان کے ساتھ نہیں، اس تخیل کا یہ اثر تھا کہ یہود اور نصاریٰ دونوں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف بے تامل، نہایت رکیک اور سخیف باتیں منسوب کرتے تھے۔ مثلاً حضرت لوطؑ پر بدکاری کا الزام لگاتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کو گنڈا تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے۔ حالانکہ سحر اور جادو، تورات میں شرک قرار دیا جاچکا تھا۔ عیسائی گو حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ تمام پیغمبروں کو گناہ گار خیال کرتے تھے، تاہم انجیل کے مختلف حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود اور خود عیسائی بھی حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نسبت بعض ایسی باتیں کہتے تھے: جو اُن کی شان عظمت کے سراسر منافی ہیں مثلاً یہود حضرت مریمؑ پر تہمت رکھتے تھے، اور انجیل کے طرز سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے اور احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بدبختی تھی۔ اسی طرح موجودہ انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نماز روزہ کی پروا نہیں کرتے تھے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر یہود و نصاریٰ کے یہ الزامات صرف اس وجہ سے تھے کہ وہاں نبوّت و رسالت کا کوئی بلند تخیل نہ تھا۔ اور انبیاء کی عظمت کی کوئی سطح قائم نہ تھی۔ لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں کی عظمت و جلالت کی ایک ہی سطح قائم

کی اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء و مرسلین کا مشترکہ وصف تھا، سب پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے، وہ سب خدا کے بخشے ہوئے ایک خاص منصب پر سرفراز تھے وہ سب دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے تھے کہ خدا کے احکام لوگوں کو بتائیں اور نیکی اور سچائی کا راستہ دکھائیں وہ سب رہنما، ہوشیار کرنے والے، خدا کی طرف بلانے والے خوشخبری سنانے والے، تعلیم دینے والے، خدا کے احکام پہنچانے والے نور، روشنی خدا کے نیک اور مقبول بندے اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے۔

اسلام میں اگرچہ پیغمبروں کی کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ تاہم قرآن پاک میں ان کی دو قسمیں ہم کو بتلائی گئی ہیں۔ ایک وہ جن کے ناموں کی تصریح قرآن میں کی گئی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ پہلی قسم میں بھی کئی تقسیمیں ہیں بعض وہ انبیاء ہیں جن کو اہل عرب اور یہود و نصاریٰ سب جانتے تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ وغیرہ، بعض وہ ہیں جن سے اہل عرب واقف تھے لیکن، یہود و نصاریٰ کو ان کی خبر نہ تھی، مثلاً حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ، بعض ایسے ہیں جن کو یہود و نصاریٰ پیغمبر نہیں مانتے تھے۔ لیکن دراصل پیغمبر تھے مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ، دوسری قسم میں یونان کے سقراط ایران کے زردشت، ہندوستان کے سری رام چندر جی اور سری کرشن جی اور مہاتما گوتم بدھ اور چین کے حکیم کنفوشیوس، بلکہ ان ممالک کے اور بھی مختلف عہدوں کے مقدس اور پاک بزرگ شامل ہو سکتے ہیں، کیونکہ قرآن مجید نے ہم کو صاف صاف بتلایا ہے کہ ہر قوم میں خدا کے پیغمبر آئے ہیں۔ اگرچہ ہم یقینی طور پہ ایسے بزرگوں کے ناموں کی تعیین نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پاس تخصیص و تعین کا ذریعہ صرف وحی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور وہ ان کی نسبت خاموش ہے۔ لیکن پھر بھی ہر مسلمان کو تفصیلاً اور اجمالاً تمام انبیاء کو ماننا

اُن کی صداقت کو تسلیم کرنا اور اس تسلیم کو ذریعہ نجات سمجھنا لازم ہے۔

ان تمام انبیار کی ایک پہچان ہے۔ ان کی تعلیم ایک ہے وہ سب ایک وصف میں شریک ہیں۔ ان سب کو ایک ہی طرح ماننا ضروری ہے ان سب کا ایک مشن ہے اور ان سب کی ایک زندگی ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیتیں ہیں جن میں وحدتِ رسالت کے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا کے تمام انبیار اور پیغمبروں کی یکساں تعظیم و تکریم کریں اور ان سب کو برابر سمجھیں۔ اور یہ عقیدہ تسلیم کیا گیا ہے کہ لانفرق بین احد من رسلہ، ہم خدا کے فرستادوں میں کوئی فرق نہ کریں۔ اور یہ تعلیم دی ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں خدا کے رسول آئے اور اس کے احکام لوگوں کو سناتے رہے۔ کوئی قوم نہیں جس میں خدا کا فرستادہ نہ آیا ہو۔ اس کے لئے عرب و عجم، روم و شام، اسرائیل و بنی اسماعیل ایرانی اور تورانی کی کوئی تخصیص نہیں۔ ان تمام قوموں میں خدا نے اپنے رسول بھیجے اور رسولِ اسلام کی تعلیم ہے کہ ہم ان سب کو خدا کا یکساں رسول سمجھیں۔ اسی کا اثر ہے کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ یہودیوں کے پیغمبروں، عیسائیوں کے رسولوں، ایرانیوں کے نبیوں اور ہندو چین کے ربانی مبلغوں کو صادق و راست باز یقین کریں۔

(وحدت رسالت کے بعد) وحدت کتاب کے عنوان سے وحدت ادیان کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے۔ جو اسلام کی وسیع اور بلند ذہنیت کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسلام سے پیشتر دوسرے مذاہب نے اس جانب توجہ نہیں کی تھی یہود تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے تھے عیسائی تورات کے احکام کو نہیں مانتے تھے۔ لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے تھے اور تورات کے علاوہ دُنیا میں جو اور کتابیں مذہبی حیثیت سے مقدس مانی جاتی تھیں۔ اور جن کا زمانہ انجیل سے پیشتر تھا اُن کی عزت اور عظمت نہیں کرتے تھے۔ پارسی اوستا کے

علاوہ اور کسی کتاب کو خدا کا کلام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے، اور ہندوستان کے برہمن ویدوں کے سوا خدائی الہام کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رواداری اور بے تعصبی اور نقطۂ نظر کی وسعت اس مسئلہ میں ظاہر فرمائی وہ اسلام بلکہ دنیا کی مہتم بالشان تعلیمات میں ہے۔ اس تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن مجید کی طرح گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں کو بھی صحیح سمجھے اور ان کو من جانب اللہ تسلیم کرے گویا قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء قدیم کی کتابوں پر بھی ایمان لایا جائے اور قدیم کتابوں کی تصدیق نہ کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی بھی تصدیق نہ کی جائے اور جس طرح قرآن کا کفران کفر ہے، قدیم کتابوں کا نہ ماننا بھی کفر ہے۔ یہ ادب یہ عزت یہ رواداری کیا اسلام کے باہر بھی کہیں مل سکتی ہے ؟

آسمانی کتابیں بھی اگرچہ غیر محدود ہیں تاہم تخصیص کے ساتھ جن کتابوں کا قرآن مجید میں نام آیا ہے" وہ چار ہیں تورات یا صحف موسیٰؑ زبور، انجیل اور قرآن۔ ان کے علاوہ، ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے، لیکن ان کے نام درج نہیں ہیں۔ بعض آیتوں میں صرف اگلے صحیفوں یا اگلوں کی کتابوں کا حوالہ آیا ہے بعض آیتوں میں اجمالاً پیغمبروں کی طرح کتابوں کا بھی ذکر آیا ہے لیکن سب جگہ ان کی صداقتوں کو تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے قرآن مجید پر ایمان لانے والے مسلمان مجبور ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کی کتابوں کو اجمالاً یا تفصیلاً خدا کی کتابیں سمجھیں اور دوسری ایسی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں گو اُن کا ذکر قرآن میں نہ ہو جھوٹا نہ کہیں۔ کیونکہ ان کا بھی خدا کی کتاب ہونا ممکن ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام نے دنیا کے تمام مذاہب حقہ کو ایک سمجھا ہے کیونکہ

خدا جو ان تعلیمات کا سرچشمہ ہے، تمام رسول اور پیغمبر جو اس سرچشمہ سے سیراب ہیں مقصد کے لحاظ سے متحد ہیں۔ یعنی سب کا مقصد ایک اور تعلیم ایک ہے اس لئے تمام کتابیں جو ان رسولوں کے ذریعہ سے دنیا کو دی گئیں اور جو احکام انہیں بتائے گئے وہ بھی یقیناً ایک تھے۔ اس حقیقت کو کہ تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی قرآنِ مجید میں متعدد جگہ صاف صاف بیان کیا گیا ہے اس بنا پر اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے، جو حضرت آدمؑ سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک باری باری پیغمبروں کے ذریعہ سے آتا رہا اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔

اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے۔ قرآن مجید نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہیں دین اور شرعۃ، منسک منہاج، دین سے مراد مذہب کے وہ بنیادی امور ہیں جن پر تمام مذاہب حقہ کا اتفاق ہے مثلاً خدا کی ہستی اس کی توحید، اس کی صفات کاملہ انبیاء کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی، اخلاق، اچھے اور برے اعمال کی بازپرس جزا و سزا یہ وہ اصل دین ہے جس میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی اسی کو لے کر اوّل سے آخر تک تمام انبیاء آئے اس میں زمان و مکاں کے تغیر کو کوئی دخل نہیں، نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف ہوا وہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں رہا اور وہاں کے پیغمبروں نے اس کی یکساں تعلیم دی۔ اب اگر اس میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہے تو یا تو طریقۂ تعبیر کی غلطی ہے۔ یا باہر کی چیزیں اس میں مل گئی ہیں اور اس کی اصلی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔

دوسری چیز یعنی شرعۃ، منہاج اور منسک وہ جزئیاتِ احکام ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں مثلاً عبادت الٰہی کے طریقوں میں ہر مذہب میں تھوڑا تھوڑا اختلاف موجود ہے۔ عبادت کی سمتیں الگ الگ ہیں اعمال فاسدہ کے انسداد کی تدبیریں جدا جدا ہیں، اب مذاہب کے اختلاف کا قرآنی نقطۂ نظر سے یہ مطلب ہے

کہ اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے ناقابلِ تبدیل اور ناقابل تغیر ہے البتہ متفقہ حصولِ مقصد کے راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانوں میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے تو بدلتے رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا ہے کہ وہ اسی ازلی اور ابدی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ اور دین کو اصل مرکز پر قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی قوم ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو ان کے لئے مناسب ہوں ان کو بتائیں اور سکھائیں۔

انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اسی وقت بھیجا گیا ہے جب پہلا صحیفۂ وحی کھو گیا ہے یا ذہنی تحریفات اور دستی تصرفات سے ایسا بدل گیا ہے کہ اصلیت مشتبہ ہو گئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کے گم ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل ہوئی۔ اور جب اس میں اختلافات پیدا ہوئے تو زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے۔ جو عہد نامہ قدیم میں موجود ہیں پھر اس کی تکمیل کے لئے انجیل آئی اور جب اس میں بھی انسانی تصرفات کا دخل ہو گیا تو قرآن اترا یہ ہم نے جو کچھ بیان کیا مثالاً بیان کیا ہے۔ دوسرے ملکوں اور مذہبوں میں بھی یہی صورت پیش آئی ہوگی مذہبی عقیدہ سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم ہندوستان کی تاریخ میں بھی اس صورت کو دیکھ سکتے ہیں۔ ویدوں کی تعلیم کے برخلاف جو بت پرستی اس ملک کے تمام اطراف و جوانب میں پھیلی ہوئی تھی اس کی مخالفت میں اسلام سے پہلے بھی بہت سے مصلحین پیدا ہوتے رہے جنہوں نے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کی شدید مخالفت کر کے لوگوں کو ایک خدا پر ایمان لانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ قدیم ہندو لٹریچر میں جا بجا ہم کو رنگِ توحید کی جھلک نظر آتی ہے۔

مسلمانوں کے داخلۂ ہندوستان کے بعد ہندوؤں میں ایسی جماعتیں تیار ہونے لگیں جن

کا مسلک قدیم مروجہ دھرم کے منافی تھا۔ چودھویں صدی عیسوی میں راما نند سنیاسی نے اصولِ توحید پر ایک نئی جماعت قائم کی، جس کا خیال یہ تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہے۔ پندرھویں صدی میں کبیر نے ہندوؤں کی بت پرستی اور دھرم ساشتر کا خاکہ اڑایا اور مسلمانوں کو ان توہمات سے آگاہ کیا جن میں وہ مذہب کے نام سے گرفتار ہو گئے تھے۔ اس طرح ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی تفرقات کو بالائے طاق رکھنا کبیر کا خاص مقصد معلوم ہوتا ہے۔ جو اسلام کی تعلیم کا مقصدِ اولین تھا۔ سکھ مذہب کی ابتدا بھی اسی اسلامی اثر کے ماتحت معلوم ہوتی ہے۔ اور اب بھی جہاں کہیں سے یہ آواز آ رہی ہے وہ اسلام ہی کی صدائے بازگشت ہے۔ ان تاریخی حقائق سے واضح ہوا ہو گا کہ اسلام نے وحدتِ دین کا جو تخیل پیش کیا ہے۔ وہ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک مختلف ملکوں میں کس طرح پیدا ہوتا رہا ہے اور دنیا میں جو راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر منکشف ہوا اس کی عملی شکلیں آپؐ کے بعد کہاں کہاں اور کیونکر ظاہر ہوئیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید کا وہ دعویٰ کس قدر صحیح اور واقعیت سے لبریز ہے جو اہلِ کتاب کے سامنے کیا گیا ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہیں۔ ورنہ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ جھگڑا تو جب تھا جب اصول میں اختلاف ہوتا اصول کو تو سب تسلیم کرتے ہیں، البتہ فروع میں اختلاف ہے۔ اور فرعی اختلاف کوئی اختلاف نہیں یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ بندیوں سے دین میں تفریق پیدا کر دی تھی۔ قرآن مجید نے ان کو اصل دین یعنی "دینِ قیّم" کی طرف بلایا جو حضرت ابراہیمؑ کا دین تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف کہا گیا کہ تم سے وہی کہا گیا ہے جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ تمہارا دین وہی ہے جو حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کا تھا ساتھ ہی اس وحدتِ دین کا

دوسرا رُخ بھی اس طرح سامنے رکھا گیا کہ جزئیات کے اختلاف کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی چنانچہ قبلہ وغیرہ کے تعین کے سلسلہ میں اس حقیقت کو صاف طور سے واضح کیا گیا حالانکہ یہی چیزیں تھیں جن کی بنا پر یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو برسر باطل کہا کرتے تھے۔ قرآن نے اصل مقصد کے مقابلہ میں ان چیزوں کو نظر انداز کیا۔

وحدت ادیان کی تعلیم کا ایک عملی اثر بھی تھا جو اور مذاہب میں نہیں دکھلایا جا سکتا اور یہ ایسی چیز تھی جس کو مذہب کے حدود سے باہر حکومت کے قوانین اور احکام میں تلاش کرنا چاہیئے یہودیوں کی نظر میں دنیا میں صرف دو ہی قومیں تھیں: بنو اسرائیل اور غیر بنو اسرائیل اور انہی دونوں تقسیموں پر اُن کے قانون کی بنیاد تھی، عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی یہود اور بت پرست تین قومیں تسلیم کی جاتی تھیں۔ لیکن چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں ہے۔ اس لئے وہ اکثر امور میں رومن لا کے ماتحت رہے لیکن رومن عیسائیوں میں بھی دو ہی تقسیمیں تھیں رومی اور غیر رومی، پارسیوں میں ایرانی اور غیر ایرانی کی تفریق تھی، ہندو اونچ اور نیچ ذاتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ لیکن اسلام نے وحدتِ ادیان کے تخیل کی بنا پر قانون کی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیئے جن پر برابر تیرہ صدیوں میں عمل ہوتا رہا ہے۔ مسلمان، اہل کتاب، شبہ اہل کتاب اور مشرکین، ان قوانین کی وجہ سے دنیا میں امن امان اور مسلمانوں میں رواداری پیدا ہوئی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے مذہبی عقائد پر سختی سے پابند رہنے کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ میل جول پیدا کریں اور تعاونِ عمل کے لئے تیار ہوں۔ مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب، مختلف تمدنوں کے بنیاد رکھنے کی قوت پیدا کرنا اسی عقیدہ کا کرشمہ تھا۔

توحید کی تکمیل کے سلسلہ میں دو چیزیں ابتدا اور انتہا مانی جا سکتی ہیں۔ ابتدا خدا کی حقیقی عظمت سے ہوتی ہے، اور انتہا انسان کے مرتبہ پر مشرک، بت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، بتوں کو سجدہ کر کے، پتھروں کو پوج کے، درختوں کے آگے جھک کے، جانوروں کو دیوتا جان کے، جنات اور خبیث روحوں کی دہائی پکار کے آسمانی مخلوقات کو ارباب جان کے انسان کو خدا کہہ کے حقیقت میں اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ انہوں نے انسان کے رتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچانا، وہ دراصل انسان کو پتھروں سے، درختوں سے، جانوروں سے، دریاؤں سے پہاڑوں سے اور چاند تاروں سے کم تر جانتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج ان کے لئے نہیں بلکہ وہ چاند اور سورج کے لئے بنے ہیں۔ آسمانی مخلوقات، دریا اور سمندر، جانور آگ، غرض فطرت کے تمام مظاہر سورج سے لے کر زمین کے دریا اور تالاب تک ان کے آقا ہیں اور وہ ان چیزوں کی غلامی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ تمام انسانی برادری، دیوتاؤں کی حکومت کی وجہ سے اونچی، نیچی، بلند و پست، شریف و رذیل، مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ کوئی پرمیشور کے منہ سے کوئی ہاتھ سے اور کوئی پاؤں سے پیدا ہوا تھا۔ مساوات انسانی کا نام نہیں تھا۔ مختلف جنسیں تھیں جن کا متفق ہونا ناممکن ہو گیا تھا۔ بابل، مصر، ہندوستان اور ایران کے جبار اور متمرد شاہنشاہ اپنے بنی نوع سے اس قدر اونچے ہو گئے تھے کہ ان کا عزل و نصب انسانوں کے ہاتھ میں نہ تھا بلکہ دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی تھی جس نے خدا کے سوا ہر شے کا خوف انسانوں کے دلوں سے نکال دیا۔ توحید نے دنیا کے تمام پست و بلند اور نشیب و فراز کو برابر کیا۔ قوموں اور ذاتوں کا امتیاز اٹھا دیا۔ دولت، فقر، رنگ و روپ، نسل قومیت کے نشانات مٹ گئے اور فخر و غرور اور جبر و ظلم کا بازار سرد پڑ گیا۔ سب انسان خدا کے بندے سب اس کے سامنے

برابر سب باہم بھائی بھائی، اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتایا کہ رات دن، آفتاب ماہتاب، ستارے، جانور، دریا اس کی مچھلیاں، موتی، کشتیاں آگ، درخت، غرض کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے بنی ہے۔ اور انسان کی خدمت گزاری میں مصروف ہے۔ پھر اُس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے جو مخلوقات میں سے کسی کو اپنا معبود بنائے۔

انہوں نے اپنی وحی کے ذریعہ سے دنیا کو یہ نکتہ سمجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات میں افضل ہے۔ وہ خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے اس کا سر خلافت الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے۔ کروڑوں مخلوقاتِ الٰہی میں خدا کی امانت کا حامل وہی ہوا۔ یہ منصب نہ فرشتوں کو ملا۔ نہ آسمانوں کو، نہ زمینوں کو، اور نہ پہاڑوں کو، قرآنِ مجید نے کہا کہ انسان بزرگیوں سے سرفراز عالم مخلوقات میں برتر اور انعام واکرام سے معزز ہے اس میں بحر و بر پہ چھا جانے کی قوت ہے۔ وہ عمدہ روزی کھاتا ہے۔ اس کی ہستی، معتدل قوی اور بہترین اندازہ کے ساتھ مخلوق ہوئی ہے۔ وہ کائنات میں خلیفۃ اللہ بن کر آیا ہے۔ تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے۔ غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اٹھا کر صرف ایک خدا کے آستانہ پہ رکھ دیا ہے۔ اور تمام دنیا کو انسان کے کام میں لگا دیا ہے، جو اسی کے لئے بنی ہے۔ اب بتلاؤ کہ زمین کی کس ہستی کے سامنے سر جھکائے۔

انانیت کی اس بلند سطح، حقیقت شناسی کے اس اعلیٰ تخیل، اور ادائے فرض کے اس قوی احساس تک دنیا نے جو ترقی کے قدم اٹھائے ہیں، ان کا مبدا اور دیباچہ بھی قرآنی تعلیمات تھیں۔ جنہوں نے انسان کی حقیقت اس پہ آشکارا کر کے اس کو خود شناس بنایا۔ ادائے فرض

کی صورتیں سمجھائیں۔ افراد و اقوام کی شیرازہ بندی کی اور ان کو ایک سطح پہ لا کر یک رنگی کا لطف پیدا کیا۔ یہی چیز تھی جس سے بکری اور اونٹ چرانے والے انسان، عالم کے گلہ بان بن گئے بالو کے زروں سے کھیلنے والے بدوی سیم و زر اور تخت و تاج پہ بازی لگاتے تھے، صحرا کی پشت پہ لیٹنے والی قومیں کیوان کی چھت پر مسہریاں بچھاتی تھیں اور محدود نخلستانوں کے مالکوں کا نعرہ چار دانگ عالم میں کوسِ لمن الملک بجاتا تھا۔

انسانوں نے فخر و غرور سے اپنی ایک متحدہ انسانیت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ بادشاہوں نے خدائی کا رتبہ پایا تھا اور ان کو سجدے کئے جاتے تھے۔ ان کے احکام خدائی فرامین کی صورت رکھتے تھے۔ بابل کے نمرود اور مصر کے فرعون جو انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگاتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آواز تھی جس نے ان کو ان کے تخت جبروت سے اتار کر عام انسانوں کے درجہ میں لا کر بٹھایا، اور خدا کے سوا غیروں کے شہنشاہ اور بادشاہ کہنا بھی ناپسندیدہ قرار دیا۔ اسی طرح اہل مذاہب نے رسولوں، ولیوں اور شہیدوں کو خدائی اور الوہیت تک پہنچا دیا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بندگی اور عبودیت ہی کی مختلف مدارج اور مراتب پہ متعین کیا اور سب کو یکساں خدا کا بندہ اور فرمانبردار قرار دیا۔ قوموں نے بھی اپنے لئے الگ الگ رتبے اور درجے قائم کر لئے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے آپ کو خدا کا کنبہ کہتے تھے۔ ہندوؤں میں برہمن خدا کے منہ سے راجپوت اس کے بازوؤں سے اور شودر اسی کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے تھے۔ روم میں رومنس خاص بادشاہی کے لئے اور تمام غیر رومن صرف غلامی اور خدمت گاری کے لئے تھے۔ اس طرح قوموں میں پستی و بلندی عزت و ذلت پاکی و ناپاکی کی وہ امتیازی دیواریں قائم تھیں جنھوں نے ایک انسانیت کو

سینکڑوں انسانی نسلوں میں منقسم کر دیا تھا۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آواز تھی جس نے سب سے پہلے ان مدعی امتیاز قوموں کو یہ خطاب کیا۔ بل انتم بشر ممن خلق (یعنی) تم بھی خدا کی مخلوقات میں انسان ہو، اور تم امتیازات کی دیواروں کو دفعتہً منہدم کر کے سب کو انسانیت کی ایک سطح پہ لا کھڑا کر دیا فرمایا یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اے انسانو! ہم نے تم کو خاندان اور قبیلے بنا کر اس لئے پیدا کیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بے شک خدا کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، قومیت، خاندان اور پیدائشی بزرگی اور بڑائی کے تمام امتیازات کا آج خاتمہ ہو گیا اور ہندو برہمنوں، یہودی اور عیسائی پوپوں کو اسی طرح سطح وجود سے مٹا دیا گیا، جس طرح دوسری طرف نمرودوں فرعونوں قارونوں اور ہامانوں کو مٹایا گیا تھا۔

ایک آدمؑ سے تمام انسانی قوموں کا پیدا ہو کر پھیلنا اسلام سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں میں محض آغاز پیدائش (کسموگریفی) کے ایک نظریہ کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اخلاقی تعلیم کا سنگِ بنیاد قرار دے کر اس پہ انسانی وحدت کی وہ عظیم الشان عمارت کھڑی کی جو انشاء اللہ اب کبھی منہدم نہ ہو گی، مغرور عربوں کے سب سے بڑے مجمع میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا۔ ان اللہ اذھب منکم عصبیۃ الجاھلیۃ وفخرکم بالآباء کلکم بنو آدم وآدم من تراب۔ اللہ نے جاہلیت کا غرور اور باپوں پہ فخر کا دعویٰ باطل کر دیا۔ تم سب ایک آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے تھا۔

عرب کو عجم پہ عجم کو عرب پہ گورے کو کالے پہ اور کالے کو گورے پہ جو امتیاز کا دعویٰ تھا آج وہ باطل ہو گیا اور یہ اعلان ہوا لا فضل العربی علی عجمی ولا لعجمی علی لعربی، عرب کو عجم پہ فضیلت نہیں اور نہ عجم کو عرب پہ لا فضل لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر، نہ

گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو گورے پر، غرض یہ وہ تعلیم تھی جس نے تمام انسانوں کو ایک کر دیا۔ عرب ہوں کہ عجم، فرنگ ہوں کہ زنگ ہندو ہوں کہ چینی سب انسان اخوت کی ایک ہی سطح پر دوش بدوش کھڑے ہو گئے اور توحید اور عموم رسالت کے اقرار پر کل دنیا کے انسان باہم بھائی قرار پائے۔ اور تقویٰ کے سوا ہر پیدائشی اور فرضی امتیاز باطل کیا گیا۔ اور دنیا کو یہ ندا دی گئی کہ لاتحاسدوا ولاتباغضوا وکونوا یا عباد اللہ اخوانا، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے کینہ رکھو، اور اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ان عظیم الشان غلطیوں میں سے جن میں لوگ ہمیشہ سے مبتلا رہتے ایک یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ دین اور دنیا دو مختلف چیزیں ہیں۔ دونوں کا دائرہ الگ الگ ہے۔ جو دین کو اختیار کرتا ہے دنیا سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اور جو دنیا وزخارفِ دنیا پر نظر ڈالتا ہے۔ اس کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ اس خیال نے اگرچہ ایران، ہندوستان، چین اور دیگر ممالک مشرقیہ میں عملی شکل اختیار کر لی تھی اور راہبان صومعہ نشین و بادشاہانِ لشکر شکن کے حدودِ زندگی اور دائرہ عمل میں ایسی حدِ فاصل قائم کر دی تھی کہ دونوں کا اجتماع و تعاون تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ تاہم اس سلسلہ میں زیادہ قابلِ توجہ وہ قومیں تھیں جو اپنے کو صحائف آسمانی کا پیرو اور سفیرانِ الٰہی کا مخاطب اوّل سمجھتی تھیں، ہندو بدھ کنفوشی اور زرتشتی نقطہ ہائے نظر سے زیادہ قابل غور وہ تخیل تھا جس میں انسانوں کی تقسیمیں کر دی گئی تھیں۔ کہ ان میں کچھ دین کے کارکن تھے۔ اور کچھ دنیا کے، ہندوؤں میں خلقتہً برہمن دین کے لئے اور راجپوت بادشاہی کے لئے اور ویش تجارت اور کاشتکاری کے لئے اور شودر محنت و مزدوری کے لئے تھے اور ان کی عمروں کی بھی تقسیمیں کر دی گئی تھیں کہ تیس برس تعلیم کے تیس برس دنیا کمانے کے اور تیس برس عبادت کے، بودھوں میں بھکشو الگ کر دیئے گئے تھے۔ جن کا کام صرف دھرم

سیوا تھا اور دنیا دار الگ تھے جو دنیا کا کاروبار کرتے تھے۔ اور جن پر بھکشوؤں کے تمام اخراجات کا بار تھا۔ یہودیوں میں لاوی دین کے کاہن تھے۔ وہ دنیا کے کاموں سے الگ رکھے گئے تھے وہ خاندانی ترکہ و وراثت سے بھی محروم تھے کہ یہ دُنیا کی چیزیں تھیں اور باقی لوگ دنیا دار تھے عیسائیوں نے اس انقسام کی دیوار کو اور زیادہ بلند کر دیا تھا۔ انہوں نے تو خدا اور قیصر اپنے دو حکمران فرض کئے تھے، اور یہ تعلیم پائی تھی کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو۔

یہود و نصاریٰ نے اس غلط خیال کے مطابق اپنے کو ڈھالنے کی جس طرح کوشش کی اس کی عملی شکل دو متضاد طریقوں سے ظاہر ہوئی۔ یعنی یہود نے دنیا و عقبیٰ کا حاصل دنیا کو سمجھا اور نصاریٰ نے عقبیٰ کو۔ یہود کی حکومت و سلطنت مال و دولت اور تمام سودی کاروبار کا مبنیٰ صرف یہ خیال تھا کہ انسان کے اعمال و افعال کا مرجع دنیا ہے۔ اس لئے انہوں نے دین کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام تر توجہ دنیاوی چیزوں تک محدود رکھی اور ہر نیکی کا معاوضہ اسی دنیا کی نعمت کو سمجھا اور اسی لئے ان میں ایک بڑا فرقہ وہ تھا جو صرف دنیاوی انعامات پر اعتقاد رکھتا تھا، اور آخرت کا قطعاً منکر تھا۔ بخلاف اس کے اگلے نصاریٰ نے زخارفِ دنیوی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ وہ ہر نعمت کو آسمانی بادشاہت میں تلاش کرتے رہے۔ اس لئے راہبانہ طریقۂ زندگی اور زاہدانہ طرز معیشت اختیار کیا۔

لیکن پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعہ سے جب اسلام آیا، تو اس نے دنیا کی اس قدیم غلط فہمی کو دور کیا۔ اور بتایا کہ یہ دونوں چیزیں دو نہیں بلکہ ایک ہیں۔ دین دنیا ہے اور دنیا دین ہے۔ دین میں جب خواہشاتِ نفسانی شامل ہوں تو دنیا ہو جاتا ہے اور دنیا میں احکام الٰہی کا تتبع پیش نظر ہو تو دین ہو جاتی ہے۔ اس طرح جو چیز ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے وہ انسان کا نقطۂ نظر ہے۔ اگر وہ صحیح ہو تو پھر یہ حد بھی قائم نہیں رہتی اور

دونوں چیزیں ایک ہو جاتی ہیں وہی حکومت و سلطنت جس کو دنیا سمجھا جاتا ہے اگر وہ خدا کی مرضی کے لئے کی جائے تو دین ہو جاتی ہے۔ مال و دولت جمع کرنا دنیا ہے۔ لیکن اگر نوع انسانی کی خدمت پیشِ نظر ہو تو دین ہو جاتا ہے۔ خودکشی دنیا ہے لیکن اگر فرائض خداوندی کی تعمیل میں اس کو اختیار کیا جائے تو شہادت کی شکل پا کر دین ہو جاتی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ فداہ ابی و امی نے عملی شکل میں ہم کو یہ صورت بتلائی۔ آپؐ کی نماز روزہ حج زکوٰۃ، قیام لیل عبادتِ شبانہ، تلاوتِ قرآن، تبلیغ احکام غزوات و فتوحات، مہمات سلطنت کی مصروفیت، غرض آپؐ کی سیرت کا ایک ایک واقعہ دین بھی تھا اور دنیا بھی عین اس وقت جب آپؐ پر سکندر و قیصر ہونے کا دھوکہ ہوتا تھا۔ آپؐ سفیر الٰہی اور فرشتۂ یزدانی نظر آتے تھے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے بھی اس نکتہ کو واضح کیا اور ان کے تمام کارنامہائے زرین کے اندر وہی روح نظر آئی جو دین اور دنیا کی ترکیب و امتزاج سے پیدا ہوئی تھی اور جو قرآن پاک کے منشا کے عین مطابق تھی قرآن مجید نے متعدد آیات شریفہ میں انسانی اعمال کی جزا کو دنیا اور دین دونوں سے متعلق فرمایا ہے، یعنی یہ بتایا ہے۔ کہ انسان کو نیکی یا بدی کا پھل دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اور عقبیٰ میں بھی ملے گا۔ یہ نکتہ صحابہؓ کرام کے بعد عرصہ تک مسلمانوں کے پیش نظر رہا۔ اور جب تک وہ اس کو سمجھتے رہے ان کے تمام اعمال و افعال میں تکمیلی رنگ نمایاں رہا۔ ان کی دنیا عین دین رہی اور دین عین دنیا۔

لیکن جب سے اس نقطۂ نظر میں تبدیلی واقع ہوئی ان کے کام ابتر ہو گئے۔ اور ان میں اسلام کے بجائے یہودیت اور نصرانیت کا رنگ جھلکنے لگا۔ ان میں اہل کتاب کی طرح دین اور دنیا دو مستقل اور جداگانہ چیزیں قرار پائیں۔ بعض علانیہ دنیا کو اختیار کر کے دین سے

غافل ہو گئے اور یہود کے خیال کو زندہ کر دیا۔ بعض نے ترک دنیا کر کے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور عیسائیوں کی راہبانہ زندگی کی یاد تازہ کر دی اس کی ایک محسوس اور بیّن مثال خلافت کے حدود میں ملتی ہے۔ پہلے خیال کے تسلط کے زمانہ میں خلیفہ دینی مقتدا اور دنیاوی سردار کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن جب دوسرا خیال مستولی ہوا تو ملوکیت اور پاپائیت کی صورت پیدا ہو گئی، یعنی مذہبی پیشوا الگ ہو گئے، اور دنیاوی حکومت سلاطین کے قبضہ واقتدار میں چلی گئی۔ اس تفریق نے مسلمانوں کی قومی قوت اور اجتماعی شیرازہ کو جس طرح توڑا اور منتشر کیا اس کے شواہد دفاترِ تاریخی سے باہر اُن کی موجودہ حالت کے اندر آج بھی ملتے ہیں جن کو ماہرین فلسفۂ تاریخ کے علاوہ امراض قومی کا ہر نبض شناس آج بھی سمجھ سکتا ہے۔

برادرانِ اسلام! اندریں حالات ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم اپنی موجودہ ابتری و پستی کا احساس کر کے اس مرکزی خیال کی طرف عود کریں جو ہماری ترقی، سر سبزی اور تفوق کا ضامن تھا، جس کے اندر اسلام کی روح جلوہ گر تھی اور جو یہودیت وعیسویت سے بالکل علیحدہ تھا۔ آج اقوام اسلامی، یا تو یہودی تخیّل کا شکار ہیں، اور یا عیسوی تخیّل کا۔ محمدیؐ دعوت آج اکثر کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ آج منبر و تخت دو سمجھے جاتے ہیں اور سپہ سالار اور امام نماز دو گروہ ٹھہرائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا منبر اور تخت ایک تھا اور ہمارے سپہ سالار ہی ہماری نماز کے امام ہوتے تھے مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو ایک مدّت سے فراموش کر دیا ہے اور انہوں نے بھی دین اور دنیا کے حدود مقرر کر لئے ہیں۔ اور خدا اور قیصر دو شہنشاہوں کی رعایا بن گئے ہیں۔ وہ سلطنت وحکومت و تجارت و خدمت وکسب زر اور تعلیم ہنر کو دنیا کا کام اور صرف نماز و روزہ اور تسبیح و وظیفہ خوانی کو دین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ

حسن نیت ہو تو ہر دنیاوی جدوجہد ہر سیاسی سعی و فکر، ہر تعلیمی عمل و حدت ہر تجارتی شغل و کاروبار، ہر صنعتی ترقی و اقدام اور ہر ایجاد و اختراع سراسر دین ہے اور اگر حسن نیت نہ ہو تو رات بھر کا قیام نماز اور دن بھر کا روزہ بھی دنیا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہب کو پیش کیا ہے، اس میں دین و دنیا کی تفریق اگر کسی معنی میں ہے بھی تو کاموں کے امتیاز کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ دلوں کی نیتوں کے فرق کی وجہ سے ہے۔ اور یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر اسلام جب دین بن کر آیا تو ساتھ ہی ساتھ سلطنت و حکومت کا پیام بھی لایا بدھ مذہب میں دین الگ سے آیا اور دنیا الگ سے۔ بنی اسرائیل کو دین ملنے کے چار سو برس کے بعد سلطنت ملی عیسائیت کو حضرت عیسیٰؑ کے صدیوں بعد تخت کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مدینہ منورہ میں اپنے دین کا منبر نصب کیا۔ اسی وقت دنیا کا تخت بھی بچھ گیا اور اسی وقت عظیم الشان اخلاقی و روحانی و تجارتی و سیاسی، علمی و تعلیمی غرض تمدن و تہذیب کے تمام شعبے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے تیس برس کے اندر اندر خلیج فارس سے لے کر بحر ظلمات تک دین و اخلاق، علم و عمل، عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور تہذیب کی ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی۔ اہل اسلام اور اہل کتاب کی مشترکہ و متحدہ قومیت نے انسانی اخوت کی ایسی نظیر پیش کی۔ جس کی مثال دنیا نے نہیں دیکھی تھی۔ اور عرب و عجم ترک و چین ہند و روم اور بربر و حبش نے مل کر لا اللہ محمد رسول اللہ کے علم اتحاد کے زیر سایہ ایسی اخوت عامہ کی بنیاد ڈالی جس کے مناظر اس دور ترقی میں بھی نظر نہیں آتے۔

اس سریع و عظیم انقلاب کا سب سے بڑا سبب یہ تھا۔ کہ دین و دنیا کے کاموں کی تفریق کی دیوار اس نے ڈھا دی تھی۔ رہبانیت اور گوشہ نشینی کا نام اس نے عبادت

نہیں رکھا تھا۔ بلکہ ممالک کے فتوحات ہوں، مدارس کی تاسیس ہو، تجارت کے بری و بحری سفر ہوں، جنگی مشاغل ہوں یا امن و صلح کی کوششیں ہوں، حصول رزق اور کسب دولت کی صحیح مساعی ہوں یا غریبوں بے کسوں اور مسافروں کی امداد کے کام ہوں آل و اولاد اور زن و فرزند کی مخلصانہ خواہشیں ہوں یا خدا کے لئے تن تنہا جدو جہد اور جہاد ہو۔ ان میں سے ہر کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں دین تھا۔ اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ ہر سعی و محنت اور ہر جد و جہد جو خدا کی مرضی کے حصول کی خاطر ہو سراسر دین تھی، مسلمانوں کی گزشتہ تباہی و بربادی کا اصلی سبب یہی ہوا کہ انہوں نے دین و دنیا کی وحدت کے نکتہ کو فراموش کر دیا تھا۔ بادشاہ دنیاوی کاروبار کا اور شیخ الاسلام دینی معاملات کا ذمہ دار بنا اور عیسائیوں کی طرح دین الگ اور دنیا الگ، قیصر الگ اور خدا الگ قرار دیا گیا۔ دینی کاموں کی فہرست الگ بنائی گئی اور دنیاوی کاموں کی فہرست الگ تیار کی گئی۔ کچھ لوگوں نے اپنے کو خانقاہوں، مسجدوں اور حجروں میں بند کر کے اپنے کو دین کا خادم کہلایا اور کچھ لوگوں نے دنیا کے بازاروں اور جدوجہد کی صفوں میں پہنچ کر اپنے کو دنیا دار قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دین ہونے کے مدعی دنیا کے کاموں کے لائق نہ رہے، اور کھلم کھلا اہل دین کہلانے والے خدا کے خوف و خشیت کو بھلا اور اس کی رضا کی دولت کو کھو بیٹھے۔

اب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ پر فرض ہے کہ وہ دین و دنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات و فلاح کی تدبیر اسی وحدت کے اندر تلاش کرے۔ وہ بازاروں میں خدا کے لئے دولت پیدا کرے لڑائیوں میں خدا کے لئے اپنی جانیں فدا کرے۔ مدرسوں اور جامعوں میں خدا کے لئے مفید و نافع علوم و فنون کی تعلیم حاصل

کرے۔ تجربہ گاہوں میں خدا کے لئے ایجاد و اختراع کرے۔ دنیا کے ساتھ دین کی دولت بھی حاصل کرے۔ اور زمین کی حکومت اور آسمان کی بادشاہی دونوں کو ایک دوسرے کا سایہ سمجھے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔